کئی چاند تھے سرِ آسماں: ایک مطالعہ

ڈاکٹر سہیل عباس خان

Dr. Suhail Abbas Khan,

Associate Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

ڈاکٹر تنویر حسین

Dr. Tanveer Hussain

Associate Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

The novel of Shamas ur Rehman" Kei Chaand Thay Sar-e -Asmaan" is not only the apogee of the language of Nineteenth century but there is also a celebrated reflection of Hind Islamic Culture. In this thesis the very concepts are studied.

شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ’’کئی چاند تھے سرِ آسماں‘‘ کا عنوان احمد مشتاق کے اس شعر سے لیا گیا ہے۔

کئی چاند تھے سرِ آسماں کہ چمک چمک کر پلٹ گئے
نہ لہو مرے ہی جگر میں تھا ، نہ تمھاری زلفِ سیاہ تھی

شمس الرحمٰن فاروقی اس ناول کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

’’یہ بات واضح کر دوں کہ اگر چہ میں نے اس کتاب میں مندرج تمام اہم تاریخی واقعات کی صحت کا حتیٰ الامکان مکمل اہتمام کیا ہے، لیکن یہ تاریخی ناول نہیں ہے۔ اسے اٹھارہویں۔ انیسویں صدی کی ہنداسلامی تہذیب، اور انسانی اور تہذیبی وادبی سروکاروں کا مرقع سمجھ کر پڑھا جائے تو بہتر ہوگا۔‘‘(۱)

اس ناول سے کئی اہم معلومات عام قاری کے علم میں اضافے کا موجب بنتی ہیں۔ مثلاً (۱) نواب مرزا داغ دہلوی کا اصل نام ’’محمد ابراہیم علی خان‘‘ تھا۔ (۲) امام بخش صہبائی کی وجہ شہرت میر شمس الدین کی کتاب ’’حدائق البلاغت‘‘ کا اردو ترجمہ اور اس میں عربی، فارسی کے بجائے اردو مثالوں کا اندراج ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی عام قاری کی معلومات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ صہبائی کی اس زمانے میں شہرت ان کی معما گوئی تھی، خاص طور پر اسماے الٰہی کے معمے، اور ان کی معما گوئی پہ مشہور رسالہ ’’گنجینۂ رموز‘‘ تھا۔

اس ناول کی ایک اہم خوبی اس کی کردار نگاری ہے۔اس ناول کے دو کردار نا قابلِ فراموش ہیں۔ پہلا بنی ٹھنی کا کردار اور دوسرا اوزیر خانم کا کردار۔ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بنی ٹھنی کے خمیر سے شمس الرحمٰن فاروقی نے وزیر خانم کا سراپا اٹھایا ہے۔ بنی ٹھنی کی تصویر کا منظر ملاحظہ ہو:

''کاسنی رنگ کی کامدار ساری، پلو سے سر ڈھکا ہوا لیکن ساری اس قدر باریک تھی کہ سر کا ایک ایک بال، مانگ میں چنی ہوئی افشاں کے ذرے، ماتھے کے جھومر میں جڑے ہوئے یاقوت ، ہیرے ، گومید اور تامڑے صاف جھلکتے تھے ۔کھلتا ہوا گندمی رنگ ،منھ پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ کی شفق ،اور مصور اس قدر مشاق تھا کہ مسکراہٹ کی وجہ سے کانوں کی لوؤں کی سرخی اور خفیف سا کھنچاؤ تک دکھائی دیتا تھا، بلکہ محسوس ہوتا تھا۔ بڑی بڑی جامنی آنکھیں ،پتلیوں کی سیاہی میں نیلگونی جھلکتی ہوئی ،سیدھی ناک ، بظاہر ذرا لمبی ،لیکن دوبارہ دیکھیں تو بالکل مناسب معلوم ہو، ناک میں بڑا سا بلاق جس میں سرمئی موتی ۔گردن اونچی اور نازک ،نخوت اور اعتماد کی بلندی اس میں نمایاں تھی ۔گردن میں گول ترشے ہوئے جامنیا کے دانوں کا ہار، جس میں جگہ جگہ کسی زردی مائل گلابی پتھر کے بڑے بڑے دانے کشمیری ناشپاتیوں کی شکل میں تراشے گئے تھے۔۔۔ نازک سی ٹھوڑی پر ایک تل ،گویا آنکھوں کی روشنی سے چشمک کر رہا ہو۔ساری کے بارے میں کہنا مشکل تھا کہ ریشمی تھی یا کتاں کی ،لیکن مصور نے عجب صناعی دکھائی تھی کہ شفافیت کے باوجود اس میں بدن کی نمائش کا کوئی شائبہ تھا۔لڑکی نے ساری کے پلو کو ایک ہاتھ سے سنبھال رکھا تھا،اس طرح کہ ہتھیلی کی حنا جھلک رہی تھی ، اور مخروطی لطیف انگلیوں کی پوروں میں بھی منہدی کی ہلکی سی لکیر تھی۔'' (۲)

شمس الرحمٰن فاروقی نے بنی ٹھنی کے خیالی پیکر کو وزیر بیگم کی شکل میں مجسم کر دیا۔ وزیر بیگم کا سراپا ملاحظہ ہو:

''وہ ہلکے زرد رنگ کے بلبل چشم کا پاجامہ پہنے ہوئے تھی جس میں طاؤسی سبز سنہرے رنگ کی بلبل چشم بوٹیاں تھیں۔۔۔ پاجامے کے اوپر نہایت باریک نہایت ہلکے کاسنی رنگ کے ریشمی کپڑے کا آڑا جامہ۔۔۔ بدن پر ڈھاکے کی ململ کی بے آستینوں کی نیچی کرتی جس پر زری کے نازک پھول کڑھے ہوئے تھے،کرتی کے نیچے سیاہ ململ کی انگیا۔۔۔ بھاری آسمانی جالی دار زربفت کا دوپٹہ۔۔۔اس کے نیچے سے اس کی زلفوں ،چوٹی اور موباف میں پروئے ہوئے موتی صاف نمایاں تھے۔ ماتھے پر جڑاؤ چاند جس میں لہسنیا، گلابی یاقوت ،موتی اور نیلم جڑے ہوئے تھے۔ بہت بڑی بڑی، متبسم سخن گو آنکھوں میں کاجل کی بہت ہلکی لکیر، کانوں میں لمبے لمبے آویزے جن میں ہیرے اور نیلم جگمگا رہے تھے۔ناک میں موتی اور زُمرّد جڑی ہوئی بھاری کیل ، گلے میں سرخ یاقوت کا جگنو ،اس کے نیچے سچے موتیوں کا ست لڑا ہار، کلائیوں میں بھرواں گھڑیالی کڑے اور ان کے دونوں طرف کانچ کی مہین چوڑیاں جن پر

سنہرا کام تھا۔ پاؤں میں پازیب اور زری کی جوتیاں جن میں دیوار نہ تھی اور اوپری حصہ اتنا مختصر تھا کہ پاؤں کی نگار صاف جھلکتی تھی۔ لمبی مخروطی انگلیاں، کلمے کی انگلی اور بائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی میں زرد الماس اور سنہرے پکھراج کی انگوٹھیاں۔ دست و پا کی نزاکت اور بدن کی نرم بناوٹ اس کی رفتار سے نمایاں تھی۔'' (۳)

بنی ٹھنی کی تصویر ہو بہو مہاراول کی چھوٹی بیٹی من موہنی سے ملتی ہے۔ بنی ٹھنی کی شبیہ کشن گڑھ میں ہندوؤں کی رادھا دیوی کے نام سے موسوم تھی۔ اس طرح بنی ٹھنی کے کردار میں دیویوں جیسا علو، شہزادیوں جیسی نفاست، اور من موہنی کا قتل عام یعنی اس کی بد قسمتی، یہ وہ عناصر ہیں جو وزیر خانم کے کردار کی تشکیل میں مدد دیتے ہیں۔ مخصوص اللہ شبیہ ساز کے ساتھ قاری کو ایک نہ ختم ہونے والی دلچسپی پیدا ہوتی ہے، ناول کے اختتام پر ایسا لگتا ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی خود مخصوص اللہ ہے اور بنی ٹھنی اصل میں وزیر خانم ہے۔ اردو ناول میں دو یادگار نسوانی کردار تھے، ایک رتن ناتھ سرشار کے ''فسانۂ آزاد'' کی اللہ رکھی بھٹیارن عرف بی شبو جان، دوسرا امتاز مفتی کے ناول ''علی پور کے ایلی'' کی شہزاد، اب تیسرا یادگار کردار شمس الرحمٰن فاروقی نے ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں وزیر خانم کی صورت میں دیا ہے۔ کردار نگاری میں نفسیاتی حوالے سے مرزا داغ دہلوی کا کردار اہم ہے کہ وہ نوجوان جو خود شادی کی عمر میں قدم رکھ چکا ہے، کس طرح دو بار اپنی ماں کی محبت میں اس کی شادی میں شرکت کرتا ہے۔ اگر اس ناول کی دیگر خوبیوں سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو یہی کیا کم ہے کہ اردو کے مشہور شاعر داغؔ کی شخصیت کو سمجھنے میں اس ناول سے مدد ملتی ہے۔

رشید اشرف خان نے ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے جس میں انھوں نے ناول کا خلاصہ۔ کرداروں کا تعارف: بنیادی کردار، ثانوی کردار، اضافی کردار، ضمنی کردار۔ ناول کی تشکیلی عناصر: زبانی بیانیہ، داستانی عناصر، ڈرامائی پہلو، تاریخی پس منظر، مذہبی حوالے، سیاسی حالات، ہندوستانی معاشرے کی جزیات، سماجی اقدار اور دہلوی کلچر، فنون لطیفہ کے حوالے، پلاٹ، کردار نگاری، جان دار منظر نگاری اور ناول کی زبان کا خاص طور پر تجزیہ کیا ہے۔ بنیادی کرداروں میں ☆مہاراول گجندر پتی مرزا☆مخصوص اللہ☆محمد یوسف سادہ کار☆اکبری بائی فرخ آبادی ☆انوری خانم عرف بڑی بیگم☆عمدہ خانم عرف منجھلی بیگم☆وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم☆مارسٹن بلیک☆شمس الدین احمد خاں☆آغا مرزا تراب علی رفاعی☆سوفیہ(Sophia)☆مارٹن بلیک(Martin Blake)☆بہادر مرزا☆احمدی بیگم☆محمد امیر یا امیر اللہ☆حسیب احمد قریشی☆شمیم جعفر (اعجاز احمد قریشی)☆وسیم جعفر☆ڈاکٹر خلیل اصغر فاروقی☆نواب مرزا خاں داغ☆ولیم فریزر☆میرزا سلطان غلام فخر الدین، عرف مرزا فخرو۔ ثانوی کرداروں میں ☆ مرزا غالب☆حکیم احسن اللہ خاں☆نواب یوسف علی خاں☆پنڈت نند کشور۔ اضافی کرداروں میں ☆ بھرمارو☆ذوق دہلوی☆امام بخش صہبائی☆بائی جی☆سلیمہ☆نواب ضیا الدین احمد خان۔ اور ضمنی کرداروں میں ☆ شیخ العالم ☆ یحییٰ بڈگامی☆فینی پارکس☆حبیب اللہ☆راحت افزا☆افضل النسا (جانی بیگم)☆احمد النسا اور شمس النسا☆حسینی بیگم (امیر بہو)☆چمپا بی بی ☆رحمت النسا☆ٹامس مٹکاف☆ سکندر صاحب☆ سائمن فریزر☆انیا میواتی ☆ جان لارنس☆امتہ الفاطمہ☆صبح دولت اور زینت محل شامل ہیں۔ (۴)

اس ناول کی زبان، جو کہ اس عہد کی زبان ہے (زبان کا لسانی تجزیہ ایک الگ کتاب کا متقاضی ہے) کے علاوہ اس

ناول کی ایک اور نمایاں خوبی، اس کا تہذیبی یا کلچرل پہلو ہے۔اس تہذیب میں طوائف کا کیا کردار تھا، اس کا ایک تہذیبی پس منظر ہے، پروفیسر کرار حسین اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''ایک اور کلچرل ادارہ رنڈیوں کا ہے۔۔۔۔غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس سوسائٹی میں عشق کو کیا درجہ حاصل تھا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ عشق کوئی شرم کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی اور دوسری یہ کہ عشق اس معاشرے میں عام تھا۔''(۵)

طوائف اور عشق کے علاوہ اس ناول میں جو تہذیبی عناصر ملتے ہیں، ان میں مشاعرہ، اور خاص طور پر روزمرہ کی گفتگو میں اشعار کا برجستہ استعمال ہے۔

اس ناول میں گنگا جمنی تہذیب کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔اس دور میں ہر ڈیوڑھی پر چوبدار، لٹھیت، برچھیت اور دربان ہوتے تھے۔جب بھی کوئی ملنے آتا تو وہ آنے والے کو روک کر آواز لگاتے۔ ہر گھر میں مامائیں، اصیلیں، کنیزیں، باندیاں اور مختلف کاموں کے لیے ملازمائیں رکھی جاتی تھیں۔خصوصیت کے ساتھ یہ سب اہتمام رئیسوں اور افسروں کے گھروں میں ہوتے تھے۔ملازم اپنے آقا، خاتون خانہ اور مہمانوں کو بات بات میں تین سلام اور سات سلام کرتے اور خاص مہمانوں کو وہی جوتیاں پہناتے تھے۔مہمانوں کی تواضح شربت، پان، عطر، گلاب اور بھنڈے (حقے) سے کی جاتی تھی۔جب کہیں کوئی ہرکارہ یا پیغامبر آتا تھا تو اسے انعام دیے بغیر واپس کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔شب میں مالک یا مالکن سے شب بخیر اور صبح کو ''صبا حکم خیر'' کہا جاتا تھا۔خواتین بگھی یا نالکی میں آتی جاتی تھیں۔

''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں بھی فنون لطیفہ کے کئی عمدہ نمونے ملتے ہیں۔مخصوص اللہ، اس کا بیٹا محمد یحییٰ بڈگامی اور اس کے دونوں سپوت ہنرورانہ ذہن اور جمالیاتی احساس رکھتے تھے۔شبیہ سازی، قالین بافی اور علم موسیقی سے فطری رغبت تھی۔محمد یوسف جو یعقوب بڈگامی اور جمیلہ کا بیٹا تھا وہ بڑا ہو کر سادہ کار یعنی کپڑوں پر بیل بوٹے اور رنگ برنگے ڈیزائن بنانے والے ایک فنکار کے روپ میں دنیا کے سامنے آتا ہے۔ایک اور دلچسپ بات یہ تھی کہ یوسف سادہ کار تک صرف مرد ہی اس خاندان میں فنون لطیفہ سے دلچسپی رکھتے تھے لیکن یوسف کی تینوں بیٹیاں (انوری خانم، عمدہ خانم اور وزیر خانم) بھی کسی حد تک آرٹسٹک ذہن کی مالک تھیں یعنی اس شجرہ کی عورتوں میں بھی یہ اثر نفوذ کر گیا۔وزیر خانم (چھوٹی بیگم) بچپن ہی سے نانی کے عشرت کدے میں گھسی رہتی تھی۔نانی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اسے بعض معمولی راگنیاں بھی بخوبی یاد ہو گئیں۔یمن، بسنت، بہار، باگیسری پھر بہت کچھ دادرا۔کھتریوں اور چرواہوں کی دھنیں جیسے چیتی، بنارسی، ٹھمری وغیرہ۔

الغرض ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں نہ صرف پلاٹ، کردار نگاری، زبان و بیان، تہذیب و معاشرت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا گیا ہے بلکہ تاریخ کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کو بھی مہارت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرآسماں، کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۶ء، ص: ۸۴۷

۲۔ ایضاً، ص: ۱۱۰

۳۔ ایضاً، ص: ۳۸۔۳۹

۴۔ رشید اشرف خان، ڈاکٹر، کئی چاند تھے سرِ آسماں: ایک تجزیاتی مطالعہ، نئی دہلی: براؤن بک پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء

۵۔ کرار حسین، پروفیسر، مضمون: پاکستانی کلچر اور اس کے مسائل، مشمولہ: سوالات و خیالات، کراچی: فضلی سنز لمیٹڈ، اردو بازار، اشاعت اول، مئی ۱۹۹۹ء، ص:۸۱

☆......☆......☆